اظہارِ عقیدت



محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رسول اللہ

اہل سنت
لامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اظہارِ عقیدت

قائدِ اہلِ سنت

علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور ۔ کراچی ٥ پاکستان

نام کتاب	اظہار عقیدت
مصنف	قائد اہلسنّت علامہ ارشد القادری رحمہ اللہ
ترتیب وتقدیم	ڈاکٹر غلام زرقانی
تاریخ اشاعت	دسمبر 2007ء
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	MT25
قیمت	-/81روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔7221953 فیکس:۔042-7238010

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔7225085-7247350

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:021-212011-2630411۔ فیکس:۔021-2210212

e-mail:- sales@zia-ul-quran.com

zquran@brain.net.pk

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ

ونصلی علی رسولہ الکریم

وعلی آلہ

وصحبہ اجمعین

اظہار عقیدت

شرف انتساب

اپنے برادرِ گرامی

جناب مولانا فیض ربانی صاحب

کے نام

جن کی حوصلہ افزائیوں، شفقتوں اور عنایتوں سے میں کسی قابل ہوا

دعا جو

غلام زرقانی

اظہار عقیدت

مل گئی ہے سرِ بالیں جو قدم کی آہٹ
روح جاتی ہوئی شرما کے پلٹ آئی ہے

مشمولات

پیشوائی

اسے میری خوشِ بختی کہیے کہ قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے شعری نتائج فکر کی ترتیب کا شرف میرے حصے میں آیا۔ اس امر سے کسے اختلاف ہوسکتا ہے کہ جان جاناں، مرکز عشق ومحبت اور سرور عاشقاں صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ ناز میں گلہائے عقیدت ومحبت نچھاور کرنا زندگی کا عظیم الشان اعزاز ہے .... اور انہیں بکھرے ہوئے لعل وگہر کو بیش قیمت گلدستے کی شکل عطا کرنا بھی کسی طور کم نہیں .... کہ محبوب کی چوکھٹ سے وابستگی کے لمحات تو میسر آئے .... کیا عجب! بارگاہ ایزدی میں یہی چند لمحات میرے اعمال نامے کا پیش لفظ بن جائیں۔

قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ بلاشبہ فطری شاعر تھے، لیکن آپ نے کبھی یہ خواہش نہ کی کہ کسی مشاعرے میں کلام سنا کر داد و تحسین حاصل کی جائے ....اور نہ ہی اپنے مجموعۂ کلام کی اشاعت کا شوق ہی پیش نظر رہا۔ یہی وجہ ہے کہ زبان و بیان کی نزاکت، لطافت، اسلوب اور سحر بیانی پر کمال قدرت کے باوجود آپ نے کثرت سے کلام نہیں کہے...... مگر یہ بھی ایک روشن و تابندہ حقیقت ہے کہ جتنا کہا ہے، خوب کہا ہے، بہت خوب کہا ہے۔

اجازت ہو تو ایک پوشیدہ راز سے پردہ اٹھاؤں! اس مجموعہ کی ترتیب کے دوران والد گرامی علیہ الرحمہ کی لائبریری میں ورق گردانی کرتے ہوئے مجھے ایک منقبت کا مسودہ ملا، جو آپ ہی کی مخصوص انداز تحریر میں لکھا ہوا تھا۔ اشعار پڑھتے ہوئے جب مقطع دیکھا تو کسی اور کا تخلص موجود تھا، جسے قلم زد کیا گیا تھا۔ اخیر میں پھر آپ کے تخلص کے ساتھ دوسرا مقطع بھی موجود تھا۔ اس انکشاف کے بعد مجھے بعض احباب کی ان باتوں پر یقین ہو گیا کہ والد گرامی علیہ الرحمہ کبھی کبھی دوسروں کے لیے ان کے تخلص کے ساتھ کلام لکھ دیا کرتے تھے۔

اس حقیقت کے بعد اب یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ والد گرامی علیہ الرحمہ نے یقیناً لکھا تو اور بھی ہو گا، یہ اور بات ہے کہ بعض اپنے تخلص کے ساتھ اور بعض دوسروں کے ....حقیقت جو بھی ہو لیکن یہ کہنا واقعی حقیقت ہے کہ نعت جس کے لیے کہی ہے، اس عظیم الشان ذات گرامی تک دل کی کیفیات کا اظہار ہو گیا، یہی سب سے بڑا اعزاز ہے کہ آخرت کا سودا عمل کی بنیاد پر ہو گا تخلص کی بنیاد پر نہیں۔

پیش نگاہ مجموعہ میں بعض کلام تو اس قدر شہرت یافتہ ہیں کہ ہند و پاک سے شائع ہونے والے اکثر مجموعۂ انتخاب میں اسے شامل اشاعت کیا گیا ہے، لیکن بعض ایسے بھی ہیں جو پہلی بار منظر عام پر آرہے ہیں۔

اپنی بساط بھر کوششوں کے بعد آپ کا جس قدر کلام میسر آیا شامل اشاعت کر دیا ہے۔ اب احباب کی کرم پروری سے کسی نئے کلام تک رسائی ہوئی، تو اسے آئندہ ایڈیشن میں شکریہ کے ساتھ شامل کر دیا جائے گا۔

میں شکر گزار ہوں جناب ڈاکٹر کرامت علی کرامت کا، جنہوں نے اپنی عدیم الفرصت زندگی سے چند قیمتی لمحات نکال کر والد گرامی علیہ الرحمہ کے اس مجموعہ پر اپنے وقیع خیالات سے نوازا۔

اسی طرح محب اردو جناب ڈاکٹر شکیل مصباحی کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں، جنہوں نے قائد اہل سنت علیہ الرحمہ کی شاعری کے حوالے سے لکھا ہوا اپنا مضمون اس مجموعہ کی زینت بنانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

سراپا سپاس ہوں حسان الہند حضرت بیکل اتساہی، پروفیسر ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ اور پروفیسر فاروق احمد صدیقی کا، جنہوں نے مختصر مگر جامع الفاظ میں قائد اہل سنت علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں عقیدتوں کا خراج پیش کرنے کی سعادتیں حاصل کیں۔

شاعر خوش فکر جناب عبد المغنی جوہر بلیاوی کا شکریہ ادا نہ کرنا بڑی ناانصافی ہوگی کہ والد گرامی علیہ الرحمہ کے کئی کلام کا سراغ انہی کی وساطت سے لگا۔ اور شاعر خوش نوا جناب امان اللہ بلیاوی کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے والد گرامی علیہ الرحمہ کے قلم سے لکھا ہوا ایک نایاب قطعہ مجھے عطا فرمایا۔ سراپا سپاس ہوں اپنے دیرینہ کرم فرما

شاعر خوش بیاں جناب حافظ ایاز محمود صاحب کا، جن کے تعاون سے بنارس کے منعقدہ طرحی مشاعرہ میں والد صاحب کی پڑھی ہوئی نعت تک میری رسائی ممکن ہوئی اور مولانا ابرار قیصر اورنگ آبادی کے لیے بھی شکر کے الفاظ دل سے نکل رہے ہیں کہ ان کی تحویل میں والد گرامی علیہ الرحمہ کی لکھی ہوئی مشہور منقبت کے مکمل اشعار محفوظ ملے۔

اخیر میں اپنے محبّ محترم علامہ قمر الحسن بستوی کا ممنون ہوں، جن کی علمی رفاقت نے کئی مرحلوں میں میری دستگیری کی۔

ندا یہ غیب سے آئی کہ صرف عشقِ رسول
میں سوچتا تھا کہ مقصودِ زندگی کیا ہے

جانشین قائد اہل سنت

ڈاکٹر غلام زرقانی

۱ر ستمبر ۲۰۰۵ء شب معراج ۱۴۲۵ ہجری

ہیوسٹن امریکہ

پیش لفظ

الحاج پروفیسر کراماتؔ علی کرامتؔ

ایک زندہ دل، طریقت آشنا، حقیقت شناس، معرفت پسند اور شریعت نواز عالم دین کا دوسرا نام علامہ ارشد القادری تھا۔ درس و تدریس سے لے کر قومی و ملی خدمات نیز تحریر و تقریر و مناظرہ تک ان کی شخصیت کا ہر پہلو

؎ کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

کے مصداق انہیں بین الاقوامی سطح پر بلند پایہ اور بالغ نظر علمائے دین کی صف میں کھڑا کر دیتا ہے۔ موصوف کی ان تھک سعی جمیلہ کا ثمرہ مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور دراصل ایک ایسے بقعۂ تجلّی کی شکل میں جلوہ فرما ہے، جو صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ بیرونی ممالک میں بھی رشد و ہدایت کا نور پھیلا رہا ہے۔ علامہ کا ایک الگ تھلگ فلسفۂ تعلیم

بھی تھا جس کو وہ عملی جامہ پہنانے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اسلام واحد مذہب ہے جو دنیا اور دین دونوں میں ایک توازن برقرار رکھنے کا متقاضی ہے۔ یہی سبب ہے کہ انہوں نے مدرسہ فیض العلوم میں پالی ٹکنک (Polytechnic) اور کمپیوٹر (Computer) جیسے ہنر سکھانے کو بھی ضروری سمجھا تاکہ یہاں سے فارغ ہونے والے طلباء اقتصادی اعتبار سے خود کفیل بن سکیں۔ موصوف نے اپنے عرصۂ حیات میں تو اس منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کامیابی حاصل نہیں کی، لیکن مجھے یقین ہے کہ ان کے لائق وفائق فرزندوں اور جانشینوں کی پر خلوص کوششوں سے ان کا مشن ایک نہ ایک روز کامیابی کی سرحدوں کو ضرور پار کر جائے گا۔

شہر آہن جمشید پور کا مسلم معاشرہ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے مسلمانوں کے اختلاط سے ایک الگ تھلگ ثقافتی منظر نامہ رکھتا ہے۔ اردو شعر وادب کے لحاظ سے بھی اور اسلامی تہذیب وثقافت کے اعتبار سے بھی۔ چونکہ یہ شہر کلکتہ اور ممبئی جیسے بڑے شہروں کو جوڑنے والی ریلوے لائن پر واقع ہے، اس لیے یہاں شروع ہی سے بڑے بڑے شعراء تشریف لاتے رہے ہیں اور بڑے بڑے علمائے کرام بھی۔ خود اسی سرزمین سے بیسویں صدی کی دوسری اور تیسری دہائی میں مولانا ابو الفرح جیسے شعلہ بیاں مقرر ابھرے ہیں، جن کی تعریف میں نے اپنے والد مرحوم مولوی رحمت علی رحمت سے سنی تھی۔ مولانا ابوالفرح بیک نفس سات آٹھ گھنٹے تقریر کر سکتے تھے۔ بہر کیف مولانا ابوالفرح اپنے زمانے کے اتنے مشہور مقرر ہونے کے باوجود اب خود جمشید پور میں ان کا نام لیوا شاید کوئی نہیں۔ اگر ان کی کوئی تحریر و تصنیف محفوظ ہوتی تو شاید ابھی تک لوگ ان کو یاد کرتے۔

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے ساتھ ایسا نہیں ہے۔ ان کی معرکۃ الآرا تصنیف "زلزلہ" نیز ان کا بناء کردہ "مدرسہ فیض العلوم" ان کو زندہ جاوید رکھنے کے لیے کافی ہیں۔ جس طرح خدا بخش صاحب "خدا بخش لائبریری" کے احاطے میں اور سرسید احمد خاں "مسلم یونیورسٹی" کے علاقے میں مدفون ہیں، اسی طرح علامہ ارشد القادری بھی مدرسہ فیض العلوم سے متصل اپنی پسند کے ایک علاقے میں آرام فرما ہیں۔ جو شخص مدرسہ فیض العلوم کے قریب سے گزرے گا، علامہ پر فاتحہ پڑھے بغیر آگے بڑھ نہیں سکتا۔ اب علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے فرزند ارجمند مولانا ڈاکٹر غلام زرقانی صاحب ان کے بکھرے ہوئے نعتیہ کلام کو یکجا کر کے کتابی شکل میں پیش کرنے جا رہے ہیں۔ امید ہے کہ "زلزلہ" اور "مدرسہ فیض العلوم" کے بعد یہ تیسری چیز ہو گی جو علامہ کو زندۂ جاوید بنائے رکھے گی۔ ڈاکٹر غلام زرقانی صاحب اس لیے بھی قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے اپنے والد مرحوم کے بکھرے ہوئے کلام کو چھان پھٹک کر کے تدوین کا حق ادا کرتے ہوئے اپنی سعادت مندی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ علامہ ارشد القادری کے اس صاف ستھرے حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار کلام کو جو بھی قاری بہ طور عقیدت پڑھے گا، اس عمل کا ثواب براہ راست علامہ ارشد القادری صاحب کو پہنچتا رہے گا۔ اس طرح ڈاکٹر غلام زرقانی صاحب نے یہ کتاب مرتب کر کے مرحوم و مغفور کے لیے حسنات جاریہ کا سامان مہیا کیا ہے۔ اس لیے بھی موصوف کی یہ سعی جمیل لائق تحسین و ستائش ہے۔

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی شخصیت کا ایک اور پہلو بھی ہے جو میری نظر میں نہایت قابل قدر ہے اور جس کا ذکر اب ضبط تحریر میں نہ لایا گیا تو شاید آئندہ نسل

اس پہلو سے واقف ہی نہ؛ وہ ہے ان کے مصلح قوم وملت یعنی رفارمر (Reformer) ہونے کا پہلو۔ وہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے اس مسلک سے سختی کے ساتھ کاربند تھے کہ مسلم معاشرے کا کوئی بھی طریقہ کسی غیر مسلم معاشرے کے کسی بھی طرزِ عمل سے مشابہ نہ ہو۔ اس سلسلے میں میں اپنا ایک ذاتی تجربہ بیان کر رہا ہوں۔ مجھے زندگی میں صرف ایک بار علامہ کو دیکھنے اور ان کی تقریر سننے کا موقع ملا۔ یہ آج سے تقریباً تیس سال پہلے کی بات ہے۔ دھتکیڈیہ کے قبرستان سے باہر ''شب برأت'' کے موقع پر ان کی تقریر تھی۔ اس زمانے میں شب برأت کے موقع پر سارے جمشید پور میں جشن چراغاں ہوا کرتا تھا اور آتش بازی کے ساتھ شب برأت منائی جاتی تھی۔ اس تقریر میں علامہ نے لوگوں کو سمجھایا کہ یہ غیر شرعی عمل اسلام میں حرام ہے اور شب برأت کو تسبیح وتحمید وتحلیل سے شب بیداری ہی میں گزارنا چاہئے۔ موصوف نے عورتوں کو بھی قبرستان کے اندر جانے سے سخت ممانعت کی۔ بعد میں تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ علامہ ہی کی تقریر کا نتیجہ تھا کہ شب برأت کے موقع پر اب جمشید پور میں آتش بازی نہیں ہوتی اور عورتیں بھی قبرستان کے اندر نہیں جاتیں۔ ظاہر ہے کہ وقتاً فوقتاً مختلف واعظ حضرات انہیں باتوں کو دہراتے رہے ہیں، لیکن صرف ان واعظوں کی نصیحتوں کا عوام پر اثر پڑتا ہے جن کی باتوں میں خلوص ہو، جن کے قول وفعل میں تطابق ہو اور جو محض گفتار کا غازی نہ ہو، جیسا کہ ڈاکٹر اقبال نے کہا ہے:

اقبالؔ بڑا اپدیشک ہے، من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا یہ غازی تو بنا، کردار کا غازی بن نہ سکا

اس اعتبار سے ہم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے کردار کا بہ نظر غائر مطالعہ

کرتے ہیں تو موصوف ایک مصلح قوم وملت کی شکل میں ہمارے سامنے ابھرتے ہیں۔

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نعت گو ضرور تھے، لیکن انہیں ایک شاعر کہا جائے تو شاید ان کے ساتھ ناانصافی ہوگی، کیونکہ خود قرآن نے ان الفاظ میں شاعروں کی مذمت کی ہے:

﴿ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ ﴾

اس آیت سے تو صاف طور پر شعر گوئی کا عدم جواز نکلتا ہے۔ قرآن میں غالباً شعراء کی مذمت اس لیے کی گئی ہے کہ یہ لوگ جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں اور اپنے کلام میں عموماً غلو سے کام لیتے ہیں۔ علاوہ ازیں کفار مکہ قرآن کی فصاحت وبلاغت سے دنگ ہوکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر قرار دیتے تھے۔ مذکورہ آیت سے کفار مکہ کے اس الزام کی نفی ہوتی ہے۔ جو لوگ شعر گوئی کی حمایت کرتے ہیں وہ بخاری ومسلم سے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا حوالہ دیتے ہیں کہ سرور کائنات نے فرمایا "ان من الشعر حكمة" (یعنی بعض شعر حکمت ہے)۔ لہٰذا سب شعر برے نہیں ہوتے بلکہ ان میں فائدے کے بھی شعر ہوتے ہیں۔ شعر گوئی کی حمایت میں کہا جاتا ہے:

در شرفِ شعر رسولِ خدا ۔۔۔ گفت بسے قول بمدح وثنا
شعر کہ اصحابِ نبی گفتہ اند ۔۔۔ چوں دُرو یاقوت وگہر سفتہ اند
شعر علی گفت حسین وحسن ۔۔۔ گفت انس گفت اویس قرن
شعر کہ حسانِ عرب گفتہ است ۔۔۔ سید کونین پذیرفتہ است
منع ز اشعار نہ کردش نبی ۔۔۔ نہی ازاں کار نہ کردش نبی
بلکہ بروکرد ہزار آفریں ۔۔۔ سیدِ کونین رسولِ امیں

صحابۂ کرام میں سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ بہت بڑے نعت گو شاعر گزرے ہیں، جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت عزیز رکھا کرتے تھے۔ بخاری، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ایک ممبر حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لیے مخصوص رکھتے تھے، جس پر کھڑے ہو کر وہ اشعار پڑھتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ اللہ حسان کی تائید جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ کرے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے مسلم نے روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شعراء کو فرمایا تھا کہ تم کفار قریش کی ہجو کرو، کیونکہ وہ ان پر تیر برسانے سے سخت تر ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ حسان نے کفار کی ہجو کر کے مسلمانوں کو شفا دی اور خود بھی شفا پائی۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

"قالت عائشه رضی الله عنها كان اصحاب رسول الله علیه وسلم یتناشدون عنده الا شعار وهو یتبسم"

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے سامنے اشعار پڑھتے اور آپ مسکراتے رہتے۔)

دار قطنی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے اور شافعی نے عروہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعر کی نسبت فرمایا۔

"ھو کلام فحسنه حسن وقبیحه قبیح"

(یعنی وہ کلام کہ اچھا اس میں سے اچھا ہے اور برا اس میں برا ہے)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ شاعری کا ایک حصہ قابل تعریف ہے اور ایک حصہ قابل مذمت۔

نجم الدین رام پوری نے اپنی کتاب ''بحر الفصاحت'' میں امام غزالی کی تصنیف ''احیاء العلوم'' کی منطقی بحث کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ''شعر کہنا جائز بلکہ مسنون ہے مگر خلاف شرع اور واہیات مضامین باندھنا بالکل منع ہے اور قطعاً ناجائز ہے''۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس قسم کا شعر کہنا جائز یا مسنون ہے؟ اور کس قسم کا شعر کہنا ناجائز ہے؟........ظاہر ہے کہ وہ قصیدہ جو عورتوں کے حسن و جمال کی تعریف میں لکھا گیا ہو یا اس کا تشبیب جو آگے چل کر ''باز ناں گفتن'' کی شرط کو پورا کر کے ''صنف غزل'' کی شکل میں نمودار ہوا ہو، وہ شاعری جس پر ہم جنسی اور امرد پرستی کے غلبے کا شائبہ ہو، یا پھر وہ کلام جو سراسر رومانویت پر مبنی ہو.....ان تخلیقات کو شرعاً ناجائز ہی قرار دیا جائے گا۔ صحابۂ کرام کی وہ تخلیقات جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا اور جن کی مثالیں ہمارے سامنے اس وقت موجود ہیں، وہ صرف اللہ یا اس کے رسول کی تعریف یا اسلامی احکام کی ترغیب پر مبنی ہیں۔ نعت وحمد سے ہٹ کر حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی جو شاعری ہوا کرتی تھی، وہ مقصدیت پر مبنی شاعری ہوا کرتی تھی۔ اس شاعری کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کا پرچم بلند ہو، اخلاقیات کو فروغ حاصل ہو اور تمام انسانیت کی فلاح و بہبود ہو۔ بہ الفاظ دیگر اسلام ایسی قسم کی شاعری کو روا رکھتا ہے جو اپنے اندر اعلیٰ نصب العین رکھتا ہو اور اعلیٰ انسانی اقدار سے وابستہ ہو۔ ورنہ فحاشی، ذہنی عیاشی، تلذذ پرستی پر مبنی یا اپنی ذات میں ڈوب کر اور عملی زندگی سے آنکھیں موند کر تخلیق کی

جانے والی داخلی شاعری کا اسلام میں کوئی مقام نہیں۔ اس طرح کے شعر کہنے والوں پر ''والشعرآء یتبعھم الغاون'' کی آیت اب بھی صادق آتی ہے۔ بیسویں صدی کے اواخر اور اکیسویں صدی کے آغاز میں ایسے بہکے ہوئے شاعروں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اعلیٰ نصب العین یا اعلیٰ انسانی اقدار کے حامل شاعروں کی تعداد بہت کم ہوگئی ہے میری رائے میں ترقی پسندی، جدیدیت اور مابعد جدیدیت پر مبنی شاعری کا جواز اسلامی لٹریچر میں کہیں نہیں ملتا۔

کہنے کی غرض یہ ہے کہ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ ان معنوں میں ''شاعر'' نہیں تھے، جن معنوں میں اس لفظ کو جاہلیت کے دور سے لے کر مابعد جدیدیت کی روشن خیالی کے دور تک کہا جاتا رہا ہے۔ علامہ موصوف صرف ''ناعت'' یعنی (نعت گو) تھے اور بس۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی میں کہے جانے والے کلام کو ''نعت'' اور اس نعت کے کہنے والے کو ''ناعت'' کہا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے سب سے بڑا ناعت خود باری تعالیٰ ہے، جس نے قرآن حکیم میں ''وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ'' کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی و برتری کا حق ادا کر دیا۔ اب اس کے آگے آپ کی عظمت بیان کرنے کے لیے کوئی انسان الفاظ کہاں سے لائے گا؟ سوائے اس کے کہ وہ بہ طور ''اقرار باللسان و اقرار بالقلب'' یہ کہے۔

ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

بیسویں صدی کے اواخر اور اکیسویں صدی کے اوائل میں اردو ادب میں نعت گوئی کو جو فروغ حاصل ہوا، جس کثرت سے نعتیہ مجموعے شائع ہو رہے ہیں اور فن نعت گوئی کو جس طرح درجہ اعتبار ملا ہے، اس کا سہرا امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی

رضی اللہ عنہ کے سر بندھتا ہے۔ موصوف نے حب رسول سے مملو جس قسم کے نعتیہ اشعار کہے، اس نے جدید ترین نعت گوئی کے لیے راہ ہموار کر دی۔ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ سے اپنی ذہنی اور جذباتی وابستگی کا اظہار اس شعر کے ذریعہ کیا ہے:

کرم کی ، رحم کی ، امداد کی ہے آس ارشدؔ کو
خدا سے، مصطفےٰ سے، غوث سے ، احمد رضا خاں سے

تصوف کے خانقاہی سلسلے میں ''وسیلے'' کی بڑی اہمیت ہے۔ جس طرح چراغ سے چراغ روشن ہوتا ہے، اسی طرح عرفان الٰہی کی تجلی بھی سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی جاتی ہے۔ آپ اس سلسلے کی کسی بھی کڑی کو پکڑ لیجیے، یہ آپ کو اصل منبع عرفان و آگہی تک پہنچا دے گی۔ یہیں سے ہماری شاعری میں نعت کے پہلو بہ پہلو منقبت کی اہمیت مسلم ہوتی ہے۔ لہٰذا علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے غوث پاک، خواجہ غریب نواز اور حضرت مفتی اعظم ہند رضی اللہ عنہم پر بھی نہایت کامیاب منقبتیں کہی ہیں۔

صنف نعت گوئی (خصوصاً اردو کی نعت گوئی) اپنے دامن میں موضوعات کی بے پناہ رنگارنگی نیز وسعت و پہنائی رکھتی ہے۔ کہیں سرکار دوعالم کی سیرت پاک کا ذکر ہوتا ہے تو کہیں ان کے جمال حسنیٰ کا...... کہیں ان کے معجزوں کا ذکر ہوتا ہے تو کہیں ان کی حیات مبارکہ کے مختلف واقعات کو تلمیحات کی شکل میں بیان کیا جاتا ہے...... کہیں آپ کو خوابوں میں دیکھنے کی تمنا کی جاتی ہے تو کہیں قبر و حشر میں دیدار کی خواہش کا اظہار ہوتا ہے...... کہیں سیدھے سادے الفاظ میں جذبۂ حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار کیا جاتا ہے تو کہیں تشبیہات و استعارات کی مدد سے ''حدیث خلوتیاں'' بیان

ہوتی ہے ....، لیکن علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی لکھی نعتوں کا مطالعہ کرنے پر نعت گوئی کے اتنے سارے پہلو ہمارے سامنے نہیں آتے۔ ان کے یہاں صرف ایک تڑپ، ایک کسک کا احساس ہوتا ہے جو ایک سچے عاشق کے دل میں دوری و مہجوری کی وجہ سے معرض وجود میں آتی ہے۔ ذیل کے اشعار میں جو اضطراری کیفیت، حزنیہ لئے اور کربِ اظہارِ تمنا موج زن ہے، اس سے کون انکار کرسکتا ہے؟

بہرِ دیدار مشتاق ہے ہر نظر دونوں عالم کے سرکار آجایئے
چاندنی رات ہے اور پچھلا پہر دونوں عالم کے سرکار آجایئے

چاہنے والے ہی دنیا میں رہیں خانہ خراب
آپ اگر چاہیں تو یہ غم بھی گوارا ہو جائے

جہاں خاکی کے تیرہ بختو، تباہ کارو، خطا شعارو
کچھ اس طرح جاؤ آبدیدہ کہ ان کی رحمت کو پیار آئے

نہ ہو گر داغِ عشقِ مصطفےٰ کی چاندنی دل میں
غلامِ باوفا محشر میں پہچانا نہ جائے گا

کبھی وہ سحر بھی آتی کہ چراغ بجھتے بجھتے
ترے سنگِ در پہ بنتا مرے غم کا آشیانہ

مری آہِ نارسا پر رہی طعنہ زن یہ دنیا
مرے دردِ دل کا عالم نہ سمجھ سکا زمانہ
غمِ عاشقی میں ارشدؔ یہی زندگی کا حاصل
کبھی آہِ صبح گاہی کبھی گریۂ شبانہ

یہ غمِ عاشقی کوئی معمولی غمِ عاشقی نہیں ہے، بلکہ دینِ عاشقی کا ایک جزوِ لاینفک ہے جو تمام عشقِ دنیوی ومجازی سے عظیم تر ہے۔ لہٰذا فرماتے ہیں:

ترے غم سے زندگی ہے تری یاد بندگی ہے
کہ ہے دینِ عاشقی میں یہ نمازِ پنج گانہ

اسی خیال کو ایک اور شاعر نے یوں قلم بند کیا ہے:

اشک بہا کر کروں، تیری یہاں جستجو
ہو یہی میری نماز، ہو یہی میرا وضو

ہر نعت گو شاعر کو مدینے کی سرزمین سے جذباتی لگاؤ ہوتا ہے۔ اس لیے بھی کہ یہاں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا روضۂ اقدس ہے اور اس لیے بھی کہ یہی وہ سرزمین ہے جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دس گیارہ سال کے اندر اسلامی معاشرے کے سارے اصول وضوابط مرتب ہوئے، یعنی اسلام کی روشنی یہیں سے پھوٹی اور سارے جہاں پر چھا گئی۔ لہٰذا علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ اپنے ایک قطعہ میں فرماتے ہیں:

مدینے میں دل کا نشاں چھوڑ آئے
فضاؤں میں آہ و فغاں چھوڑ آئے
جدھر سے بھی گزرے جہاں سے بھی گزرے
محبت کی اک داستاں چھوڑ آئے

اسی طرح ایک اور قطعہ میں فرماتے ہیں:

چراغ طیبہ کی روشنی میں جو ایک شب بھی گزار آئے
وہ دل کو روشن بنا کے اٹھے وہ اپنی قسمت سنوار آئے
کچھ ایسی پی ہے شرابِ الفت وہیں کھڑے ہیں خبر نہیں ہے
نہ در ہوا بند مے کدے کا نہ ہوش میں بادہ خوار آئے

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے ذیل کے نعتیہ اشعار ملاحظہ فرمائیے، جن میں گنبد خضرا اور سرزمین طیبہ سے شاعر کے بے پناہ جذباتی لگاؤ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ٹوٹ جائے غم و کلفت کی چٹانوں کا غرور
سبز گنبد سے اگر دل کی صدا ٹکرائے

ان کے روضے پہ بہاروں کی وہ زیبائی ہے
جیسے فردوس پہ فردوس اتر آئی ہے

علامہ موصوف نے اپنی ایک نعت کے آٹھ اشعار میں

؎ مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا

پر گرہ لگائی ہے، لیکن ہر شعر اپنے اندر ایک ''کیفیت جداگانہ'' لیے ہوئے ہے۔ مثلاً ذیل کے دو شعر ملاحظہ فرمائیے:

یہ مانا خلد بھی ہے دل بہلنے کی جگہ لیکن
''مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا''
جو آنا ہے تو خود آئے اجل عمرِ ابد لے کر
''مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا''

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے ''ساقی نامہ'' کے عنوان سے ایک نظم بھی لکھی ہے۔ اردو کے اساتذہ ''ساقی نامہ'' عموماً مثنوی کی شکل میں لکھتے ہیں، لیکن علامہ کی نظم ''ساقی نامہ'' مسدس کی شکل میں ہے۔ یہاں ساقی سے شاعر کی مراد ''ساقی کوثر'' ہے۔ اس طرح یہ نظم نئے انداز کی ایک نعتیہ نظم ہے۔

اسلام میں لفظ ''نور'' ایک ایسی اصطلاح ہے جو مابعد الطبیعی اور روحانی کیفیات سے وابستہ ہونے کی وجہ سے اپنے اندر معنویت کی ایک وسیع کائنات پوشیدہ رکھتی ہے۔ سورۂ نور کی ایک چھوٹی سی آیت ہے:

﴿ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط ﴾

جس کا سیدھا ترجمہ ہوتا ہے ''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے''۔ اس آیت کے الفاظ

اتنے صاف ستھرے ہیں کہ کسی قسم کی پیچیدگی کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ لیکن مختلف ترجمہ نگاروں نے اسکا مختلف انداز سے ترجمہ کیا ہے۔ بہتوں نے تو اسی طرح ترجمہ کیا ہے جیسا کہ میں نے اوپر لکھا ہے۔ لیکن بعض حضرات نے لکھا ہے: ”آسمانوں اور زمین کا نور اللہ سے ہے“۔ بعض دیگر حضرات نے لکھا ہے ”اللہ نور دینے والے ہیں آسمانوں اور زمین کو“۔ اس سلسلے میں میری جستجو جاری رہی ہے کہ ایک جملے کے الگ الگ متضاد ترجمے کیسے ہوسکتے ہیں؟ جو لوگ دوسری قسم کے ترجمے کو صحیح باور کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ عربی زبان کے قواعد کی رو سے دونوں طرح کا ترجمہ ہوسکتا ہے۔ اس جواز پر اظہار رائے کرنے کا میں اپنے آپ کو اہل نہیں سمجھتا۔ لیکن کم از کم اتنا تو کہہ سکتا ہوں کہ قرآن حکیم کا اسلوب ہی اس قدر ایجاز و اختصار پر مبنی ہے کہ اس کے چند الفاظ کے اندر کئی جہان معنی آباد ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں جس زبان میں اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے، اس کی اپنی مجبوری بھی ہوتی ہے۔ مثلاً انگریزی میں ”نور“ کے مساوی کوئی لفظ ہے ہی نہیں Marmaduke Pickthall نے مذکورہ آیت کا یوں ترجمہ کیا ہے:

"Allah is the light of the heaven and earth."

لیکن ”نور“ کا ترجمہ ” light “ نہیں ہے، کیونکہ نور کا تعلق روحانیت سے ہے، جو غیر مرئی ہے، جب کہ "light" کا تعلق اسی مادی اور مرئی کائنات سے ہے۔ " light " کا ذکر آتے ہی ذہن فوٹن (Photon) اور برقی مقناطیسی لہر (Electro - Magnatic Waves) کی طرف جاتا ہے۔ لیکن ”نور“ اس قسم کے تصورات سے مبرا ہے۔ ” light “ اور ”نور“ میں سب سے اہم فرق یہ ہے کہ ” light “ ایک ایسی توانائی (Energy) کا نام ہے جو مادہ (Matter) میں تبدیل ہو

سکتی ہے اور پھر یہ مادہ بھی توانائی میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ لیکن "نور" اس روحانی کیفیت کا نام ہے جو کبھی مرئی شکل اختیار نہیں کر سکتی۔ جماعت اہل سنت کا بنیادی عقیدہ ہے کہ اللہ نے اپنے نور سے محمد صلی اللہ علیہ سلم کا نور پیدا کیا اور اس نور سے سارے جہان کے انوار پیدا کئے گئے۔ تصوف میں نور کی بڑی اہمیت ہے۔ راہ سلوک میں جب مرید اپنے شیخ کی رہنمائی میں مجاہدہ اور تزکیۂ نفس کے بعد عبادت و ریاضت کے ایک مخصوص مرحلے تک پہنچتا ہے، تو اس کے سامنے مختلف رنگوں کے انوار کے دریچے وا ہونے لگتے ہیں اور وہ شخص اپنے شیخ کی مدد سے ان رنگوں کی شناخت کرنے لگتا ہے کہ آخر کون سا "نور" فرشتے کا ہے، کون سا "نور" شیطان کا ہے، کون سا "نور" رسول کا ہے اور کون سا "نور" اللہ کا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ "اللہ کا نور" دیکھنے کی حالت آجائے تو سالک "مجذوب" بن جاتا ہے۔ بہر کیف میدان تصوف میں یہ سب راز و نیاز کی باتیں ہیں، جو شیخ اور مرید کے درمیان محدود رہتی ہیں۔ لیکن کبھی کبھی یہ چیزیں اسمگل (Smuggle) ہو کر ہم جیسے عام آدمیوں کے پاس بھی پہنچ جاتی ہیں۔ غرض کہ ایک مرد عارف کو مشق و مزاولت اور مجاہدہ و مراقبہ کے بعد رسول کے نور کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔ اب آیئے، اس رسول کے نور کے بارے میں ہمارے مختلف بزرگان دین نعت کی شکل میں کیا کہتے ہیں؟ اس پر ایک نظر ڈالیں:

ا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں؛

وَاَنْتَ - لَمَّا وُلِدْتَ اَشْرَقَتِ الْاَ
رْضُ وَضَاءَ تْ بِنُوْرِکَ الْاُفُقُ

ترجمہ: اور آپ جب پیدا ہوئے تو زمین چمک اٹھی اور افق آپ کے نور سے روشن ہو گیا

۲۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وَكُنَّا بِمَرْاٰةَ نَرَى النُّوْرَ ٭ وَالْهُدٰى
صَبَاحاً مَسَاءً أَ رَاحَ فِيْنَا اَوِاغْتَدٰى

ترجمہ: اور جب ہم ان کو دیکھتے تو نور وہدایت کو دیکھتے، صبح اور شام جب وہ ہم میں چلتے پھرتے یا صبح کو (گھر سے) نکلتے۔

۳۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَنْ وَّجْهُهٗ شَمْسُ الضُّحٰى مَنْ ذَاتُهٗ بَدْرُ الدُّجٰى
مَنْ ذَاتُهٗ نُوْرُ الْهُدٰى مَنْ كَفُّهٗ بَحْرُ الْهِمَمْ

ترجمہ: وہ جن کا چہرہ مہر نیم روز ہے اور جن کا رخسار ماہ کامل ہے۔ جن کی ذات نور ہدایت ہے، جن کی ہتھیلی سخاوت کا سمندر۔

۴۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اے از شعاعِ روئے تو خورشید تاباں را ضیا
آنی کہ ہستی را شرف بالا تر از عرشِ علا
گرچہ بہ صورت آمدی بعد از ہمہ پیغمبراں
اما بہ معنی بودۂ سرخیلِ جملہ انبیا

۵۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سید و سرور محمد نورِ جاں — بہتر و مہتر شفیعِ مذنباں
با محمد نورِ عشقِ پاک جفت — بہرِ عشقِ پاک را لولاک گفت
گرنہ بودے بہرِ عشقِ پاک را — کے وجودے دادمے افلاک را

مندرجہ بالا بزرگانِ دین کے خیالات وجذبات سے متاثر ہو کر حضرت حسن رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اس چہرۂ پر نور کی وہ بھیک تھی جس نے
مہر و مہ و انجم کو پر انوار بنایا

اور پھر امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نور کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا

چونکہ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ بھی ان اکابرین سے متاثر ہیں، اس لیے فرماتے ہیں:

جمالِ نور کی محفل سے پروانہ نہ جائے گا
"مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا

وہ نورِ اول، سراپا رحمت، عطا کے پیکر، خدا کی نعمت
وہ مونس وغم گسار بنکر، دکھی دلوں کے قرار آئے

نورِ اول تو نورِ ذاتِ باری تعالیٰ ہی ہے، لیکن یہاں نورِ اول سے مراد تمام مخلوقات کے اندر سب سے پہلا نور یعنی نورِ محمدی ہے۔

ایک سچا عاشقِ رسول وہ ہے جس کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ جس وقت "دم واپسیں برسرِ راہ" ہو تو اس وقت نورِ محمدی کا جلوہ پیشِ نظر ہو۔ اگر ایسا نہ ہوا تو کم از کم اس کی تاریک لحد نورِ محمدی سے منور ہو جائے۔ اس پس منظر میں جہاں علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ بڑے والہانہ اور از خود رفتگی کے عالم میں کہتے ہیں:

اے خوشا بخت کہ جب موت کی ہچکی آئے
نور والے ترے جلووں کا نظارا ہو جائے

وہیں امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ بڑے لطیف انداز میں ربودگی کی کیفیت سے سرشار ہو کر کہتے ہیں:

لحد میں عشقِ رخِ شہہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی، چراغ لے کے چلے

غالباً اسی خیال سے متاثر ہو کر علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے بھی حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی منقبت میں یہ کہا ہے:

قبر بھی منزلِ عشاق نبی ہے یارو
کہ وہیں چہرۂ زیبا کا نظارا ہوگا

شمعِ عشقِ رخِ شہہ ساتھ گئی ہے جب تو
روز و شب مرقدِ نوری میں اجالا ہوگا

اور جب میں علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے ذیل کے منقبت کے اشعار پڑھتا ہوں (جو انہوں نے غوث الاعظم کے لیے لکھے ہیں) :

مرہم ہو یا کہ نشترِ غم سب ہے خوش گوار
جب تم ہی خود ہو درد کا درماں مرے لیے
داغِ دلِ غریب ہے ہم رنگِ لالہ زار
ہے شامِ آرزو کا چراغاں مرے لیے

تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ ایک اچھے غزل گو شاعر ہو سکتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بال بال بچالیا اور وہ اچھے شاعر ہونے کے بجائے ایک اچھے "ناعت" بن گئے۔

علامہ کے نعتیہ کلام کی وہ خصوصیت جو مجھے سب سے زیادہ متاثر کرتی ہے، وہ یہ کہ اس میں تصنع زدہ رنگ آمیزی کا شائبہ تک نہیں گزرتا۔ اس میں وہ عشق نہیں جو محض رکھاوے کا ہو، وہ تڑپ نہیں جو دل کی گہرائیوں سے نہ نکلی ہو۔ موصوف کی نعتوں کا سرمایہ کمیت و مقدار کے اعتبار سے بہت کم سہی، لیکن کیفیت و اثر آفرینی کے لحاظ سے کئی بھاری بھرکم دیوانوں پر بھاری ہے۔ ان کا اسلوب نہایت صاف ستھرا، عام فہم اور چبھتا ہوا ہے۔ ان کا نعتیہ کلام حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک اور صورتِ انور کا محض بیانیہ اظہار نہیں، بلکہ خالص عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ نیز وارداتِ قلبی پر مبنی وجدانی اور انجذابی کیفیت کا ایک ایسا انوکھا نمونہ پیش کرتا ہے جو

ہمارے ادب میں خال خال ہی نظر آتا ہے۔ آخر ایسا کیوں نہ ہو! زندگی بھر عشقِ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کرب و درد و اضطراب کی کیفیت کو سینے سے چمٹائے ہوئے نہ جانے وہ کہاں کہاں پھرتے رہے ہیں!

عرب سے بغداد کی زمیں تک، نجف سے اجمیر کی گلی تک
ہزار ناموں سے ان کو ارشدؔ کہاں کہاں ہم پکار آئے

کٹک   کرامت علی کرامتؔ

۱۸/ اکتوبر ۲۰۰۵ء

علامہ ارشد القادری کی نعتیہ شاعری

ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ ایک متبحر عالم دین، مایۂ ناز خطیب، بے مثل مناظر و متکلم، بلند پایہ ناقد، مستند ادیب، دیدہ ور محقق، صاحب طرز انشاء پرداز، دقیق النظر مدبر و منتظم، عدیم المثال مفکر، عظیم دانشور اور باشعور قائد ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند خیال اور خوش فکر و خوش گو شاعر بھی تھے۔

مجھے علم نہیں ہے کہ ان کا کوئی شعری مجموعہ زیور طبع سے آراستہ ہوا ہے یا نہیں، لیکن ان کی چند نعتیں جو اس وقت میرے پیش نظر ہیں، ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک قادر الکلام شاعر ہیں...... ان کا دل عشق رسول کی جلوہ گاہ ہے...... وہ سچے عاشق رسول ہیں...... ان کی شاعری کا مرکز و محور سرور کونین کی ذات ستودہ صفات

ہے......اور جب محبوب کائنات کا جذبۂ عشق و محبت دل کے سوز و گداز کے ساتھ لفظوں کے پیکر میں ڈھلتا ہے، تو نعت کے پر کیف و پر اثر اشعار پڑھنے اور سننے والوں پر وجد کی کیفیت طاری کر دیتے ہیں۔

نعت پاک میں فنی تیور کے ساتھ شرعی نزاکتوں اور قدروں کا برتنا آسان نہیں۔ اس منزل سے سلامتی کے ساتھ وہی گزر سکتا ہے جو فن پر پوری قدرت رکھنے کے ساتھ شرعی اسرار و رموز سے کما حقہ آشنا ہو۔ اور بحمدہٖ تعالیٰ موصوف میں یہ دونوں وصف بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام افراط و تفریط سے پاک اور فنی اوصاف و محاسن کا آئینہ دار ہے۔ دل کے بے پناہ سوز و گداز کے ساتھ آقا کی بارگاہ بیکس پناہ میں التجا کا یہ حسرت انگیز والہانہ انداز ملاحظہ فرمائیں۔

صبح کا وقت ہے آقا میری جھولی بھر دو
کٹ گئی رات یوں ہی دست طلب پھیلائے

سرور کائنات کے ایک سچے غلام کا یہ پر شکوہ تیور اور پر وقار و پر اعتماد لب و لہجہ ملاحظہ فرمائیں۔

ٹوٹ جائے غم و کلفت کی چٹانوں کا غرور
سبز گنبد سے اگر دل کی صدا ٹکرائے

آقا کے مقدس دیار میں موت کی تمنا ہر مرد مومن کے دل کی تڑپتی ہوئی آرزوؤں کا نقطۂ عروج ہے کہ وہاں پہنچ کر موت کو لبیک کہنا سعادت دارین کی حصولیابی کا معتمد وسیلہ اور

بیقرار و مضطرب دل کی تسکین کا معتبر ذریعہ ہے۔

علامہ ارشد القادری کس پرسکون و پر اشتیاق لہجہ میں ارشاد فرماتے ہیں؛

آ گئے والی بطحا کی اماں میں ارشدؔ
کہدو آنا ہے تو اب پیکِ اجل آجائے

''دونوں عالم کے سرکار آجایئے'' ایک نعت پاک کی ردیف ہے، جس کا ہر شعر ایک وجدانی کیفیت کا حامل ہے۔ کیف واثر میں ڈوبا ہوا، ایمان واذعان کی جوت سے درخشندہ و تابندہ مطلع میں شوق دیدار کا یہ پرکیف محاکاتی رنگ ملاحظہ ہو؛

بہر دیدار مشتاق ہے ہر نظر دونوں عالم کے سرکار آجایئے
چاندنی رات ہے اور پچھلا پہر دونوں عالم کے سرکار آجایئے

حسرت و یاس اور دردمندانہ التجا کا یہ خیر مقدمی رنگ و آہنگ دیکھئے؛

شام امید کا اب سویرا ہوا سوئے طیبہ نگاہوں کا ڈیرا ہوا
بچھ گئے راہ میں فرش قلب و جگر دونوں عالم کے سرکار آجایئے

مناظرانہ و متکلمانہ پس منظر میں فکر و اعتقاد کے رخ سے ٹھوکر کھانے والوں کے ریب و شک دور کرنے اور حقیقت مستورہ ظاہر کر کے منکرین کی تردید و تکذیب اور اصلاح فکر و نظر کے لیے سرکار دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک درخواست، ایک التجا ملاحظہ ہو؛

جلوہ گر سامنے پیکرِ نور ہو منکروں کا بھی سرکار شک دور ہو
کر کے تبدیل اک دن لباسِ بشر دونوں عالم کے سرکار آجایئے

بیمارِ عشق کا آخری وقت ہے۔ چراغ زندگی گل ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ ایسے نازک وقت میں ایک عاشق زار اپنے محبوب کے رخ زیبا کی زیارت کا تمنائی ہے اور بڑی حسرتوں اور تمناؤں کے ساتھ عرض کر رہا ہے۔

آخری وقت ہے ایک بیمار کا دل دھڑکنے لگا شوقِ دیدار کا
بجھ نہ جائے کہیں یہ چراغِ سحر دونوں عالم کے سرکار آجایئے

اس شعر کے مصرعہ اولیٰ میں "دل دھڑکنے لگا شوقِ دیدار کا" کا ٹکڑا کتنا بلیغ، کتنا خوبصورت اور کتنا آفریں ہے، اہل ذوق سے مخفی نہیں!

گورِ غریباں کی شام ہے......لامتناہی سکوت ہے.....تنہائی کا عالم ہے......سوال وجواب کا سخت ترین مرحلہ ہے۔ ایسے وحشت انگیز، خطرناک اور ہیبت آگیں ماحول میں قبر کی آغوش میں لیٹا ہوا ایک کفن پوش اپنے محسن و غمگسار، رحمت والے آقا کو حسرت بھرے لہجے میں پکار رہا ہے کہ سرکار تشریف لائیں، کرم فرمائیں اور اپنے چاہنے والے کی وحشت وکلفت کو دور فرمائیں، اس کی مشکل آسان فرمائیں، ابدی راحتوں اور سرمدی نعمتوں سے نوازیں۔ بڑا ہی رقت انگیز اور پراثر ہے نعت پاک کا مقطع؛

شامِ غربت ہے اور شہر خاموش ہے ایک ارشدؔ اکیلا کفن پوش ہے
خوف کی ہے گھڑی وقت ہے پرخطر دونوں عالم کے سرکار آجایئے

کسی مصرع پر تضمین آسان نہیں۔ اس میں مشق و ممارست کے ساتھ انتہائی غور و فکر اور مصرعۂ ثانی سے گہرا معنوی ربط پیدا کرنا ضروری ہو جاتا ہے تا کہ مصرعۂ اولیٰ مصرعۂ ثانی سے بے ربط اور بے میل نہ ہونے پائے۔ کسی شاعر کے لیے تضمین کا صرف ایک کامیاب شعر کہنا مشکل ہوتا ہے، تضمین کے متعدد کامیاب شعر کہنا تو بہت دور کی بات ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے ''شمع جمال مصطفائی'' کے عنوان سے بائیس تضمین کے اشعار کہے ہیں۔ تضمین کا ہر شعر اپنی جگہ انتہائی موزوں، برمحل، خوبصورت اور قابل تعریف ہے۔ کس کس انداز سے مضمون آفرینی کی ہے اور تضمین کا حق ادا کیا ہے! یہ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

مجھ کو شب غم ڈرا رہی ہے اے شمع جمال مصطفائی
آنکھوں میں چمک کے دل میں آجا اے شمع جمال مصطفائی
چمکا دے نصیب بد نصیباں اے شمع جمال مصطفائی
تاریک ہے رات غمزدوں کی اے شمع جمال مصطفائی
تاریکیٔ گور سے بچانا اے شمع جمال مصطفائی
ہم تیرہ دلوں پہ بھی کرم کر اے شمع جمال مصطفائی
تقدیر چمک اٹھے رضا کی اے شمع جمال مصطفائی

حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے بھی فاضل بریلوی کے تتبع میں اپنی ایک نعت پاک میں تضمین کے متعدد شعر کہے ہیں اور تضمین کا پورا پورا حق ادا فرمایا ہے۔ تضمین کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں اور علامہ کی فکری بالیدگی، تخیل کی پاکیزگی اور قادر الکلامی کی داد دیں۔

جمالِ نور کی محفل سے پروانہ نہ جائے گا
مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا

بڑی مشکل سے آیا ہے پلٹ کر اپنے مرکز پر
مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا

یہ مانا خلد بھی ہے دل بہلنے کی جگہ لیکن
مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا

جو آنا ہے تو خود آئے اجل عمر ابد لے کر
مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا

فرازِ عرش سے اب کون اترے فرشِ گیتی پر
مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا

دو عالم کی امیدوں سے کہو مایوس ہو جائیں
مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا

اب آیئے تضمین کے اشعار کے علاوہ اس نعت کے چند دوسرے اشعار ملاحظہ فرمایئے۔

نہ ہو گر داغِ عشقِ مصطفےٰ کی چاندنی دل میں
غلامِ باوفا محشر میں پہچانا نہ جائے گا

میدان حشر میں جس کے دل میں داغ مصطفےٰ کا اجالا ہوگا وہ بہ آسانی ان کے وفادار غلام کی حیثیت سے پہچان لیا جائے گا اور جس کی شناخت اس روشن علامت کے ذریعہ ہوگی، اسے ہر طرح کی آسائشیں، راحتیں اور نعمتیں نصیب ہوں گی...... سرکار کے دامن کرم کا خنک سایہ اسے نصیب ہوگا۔ ایک غلام باوفا کی اس سے بڑھ کر فیروزمندی و خوش نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے۔

مصرعۂ اولی میں "دل میں داغ مصطفیٰ کی چاندنی کا ہونا" بڑا پاکیزہ تخیل اور بڑا ہی پیارا، لطیف اور کیفیت سے بھرا ہوا اسلوب بیان ہے۔ چاندنی جو خنک اور خوشگوار کیفیت کی حامل ہوتی ہے، اس بات کا استعارہ ہے کہ داغ مصطفیٰ کی سوزش ایک عاشق کے لیے چاندنی کی طرح خنک، خوشگوار اور نشاط آفریں ہوتی ہے۔

حبیبِ کبریا کی عظمتوں سے منحرف ہو کر
یہ دعوائے مسلمانی کبھی مانا نہ جائے گا

بلاشبہ جو عظمت مصطفیٰ کا منکر ہوگا، استخفاف شان رسالت کا مرتکب ہوگا، ہزار دعوائے مسلمانی کرے، اس کا ایمان و اسلام قطعاً معتبر نہ ہوگا۔ اعتراف

عظمت مصطفیٰ تو ایمان کا نشان اور اسلام کی پہچان ہے۔ ایمان واعتقاد کے باب میں یہ شعر جلی حرفوں میں لکھنے کے لائق ہے۔

میرے سرکار آکر نقش کردو اب کفِ پا کو
دلِ بیمار کا رہ رہ کے گھبرانا نہ جائے گا

کیا تمنا ہے...... کیا آرزو ہے....... کیا پرسوز التجا ہے! سرکار اپنے قدم ناز سے دل بیمار کو مس فرمادیں، دل کی بیماری ختم ہو جائے گی، گھبراہٹ دور ہو جائے گی، دل کو آرام وسکون مل جائے گا۔ حضرت آسی علیہ الرحمہ نے بڑی حسرتوں کے ساتھ فرمایا تھا۔

نہ میرے دل نہ جگر پر نہ دیدۂ تر پر
کرم کریں وہ نشان قدم تو پتھر پر

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے اس شعر میں ''نقش کردو'' کا جملہ استعمال فرما کر بڑی تہہ داری اور معنویت پیدا کردی ہے۔ نقش جہاں ''نشان'' اور ''مہر'' کے معنی میں آتا ہے، وہیں ''تعویذ'' کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

اور ایک بیمار محبت کے لیے محبوب کے نقش کف پا کا ارتسام، پیغام صحت وسلامتی ہے۔ گویا یہ ایک شفا بخش تعویذ ہے، جس سے مریض محبت کے بیقرار دل کو سکون وقرار میسر ہوتا ہے۔

پہنچ جائے گا ان کا نام لے کر خلد میں ارشدؔ
تہی دامن سہی نا زِ غلامانہ نہ جائے گا

اذعان ویقین کی اس کیفیت پر قربان جایئے...... نبی کا نام لیوا ہے۔...... آقا کے در کا غلام ہے......دل کو اعتماد کامل ہے کہ اس در کی غلامی کی نسبت خلد بریں کی ضمانت ہے۔اپنے اعمال کی کم مائیگی کا احساس بھی ہے۔مگر نازِ غلامانہ حوصلہ بڑھا رہا ہے۔مچل مچل کر یقین دلا رہا ہے کہ غلامانِ مصطفیٰ ہی کے لیے خلد بریں کی ساری نعمتیں اور بشارتیں ہیں۔ "نازِ غلامانہ" کے والہانہ پن کا جواب نہیں، فکر و خیال کی اس رفعت و عظمت اور طرزِ ادا کی اس جدت و ندرت پر دنیائے شاعری جس قدر بھی ناز کرے کم ہے۔

جس سے تم روٹھو وہ برگشتۂ دنیا ہو جائے
تم جسے چاہو وہ قطرہ ہو تو دریا ہو جائے

یقیناً سرکار دو جہاں، محبوب کون و مکاں جس سے روٹھ جائیں، اس کی دنیا تاریک ہو جائے......زندگی عذاب بن جائے......اور وہ خود دنیا سے برگشتہ و بیزار ہو جائے۔ اور سرکار جسے نواز دیں، نظرِ لطف و عنایت فرما دیں، اس کی زندگی سنور جائے......نکھر جائے.........وہ ایک قطرۂ بے مایہ ہو تو دریا کی وسعت و گہرائی پا جائے.........ذرہ حقیر ہو تو گردوں صفات بن جائے، رشکِ مہر و ماہ ہو جائے۔

عالمِ شوق میں رکھدوں تو جبیں پھر نہ اٹھے
ان کی دہلیز پہ ایسا کوئی سجدہ ہو جائے

وارفتگیٔ شوق میں بارگاہ محبوب کی دہلیز پر جبینِ عقیدت و محبت اس طرح خم کر دوں

کہ جبیں شوق و نیاز پھر کبھی اٹھ نہ سکے........عاشق اپنے محبوب کے در سے کبھی جدا نہ ہو سکے........بڑا عاشقانہ و جاں نثارانہ رنگ ہے اس شعر میں!

اسے خوشا وقت کہ جب موت کی ہچکی آئے
نور والے ترے جلوؤں کا نظارا ہو جائے

یہ مرد مومن کے دل کی آخری تمنا ہوتی ہے کہ دم آخر سرکار کے جلوؤں کی زیارت ہو جائے تو ہر مشکل آسان ہو جائے......اذیت راحت میں بدل جائے........اے کاش ہر عاشق رسول کی یہ تمنا رنگ قبولیت اختیار کر لے۔

کیوں نہ کونین سے منہ پھیر لے وہ دیوانہ
تیرا غم جس کے مقدر کا ستارہ ہو جائے

حقیقت بھی یہی ہے کہ غم محبوب کی بے بہا دولت جسے میسر ہو جائے.......غم عشق مصطفیٰ جس کی زیست کا سہارا بن جائے، پھر اسے کسی دوسری شئی کی طلب کیا ہو.........کسی دوسرے سہارے کی ضرورت کیا ہو.......عشق مصطفیٰ کی سرمستی و سرشاری اسے کونین کی ہر شئی سے بے نیاز بنا دیتی ہے۔

دیکھئے ڈوب نہ جائے یہ بیچارہ ارشدؔ
اب تو سرکار مدینے سے اشارہ ہو جائے

ایک ارشدؔ فریاد و استمداد کے انداز میں اپنی ذات کے حوالے سے پوری امت مسلمہ کی ترجمانی کر رہا ہے۔ رنج و غم اور آلام و مصائب کا تلاطم برپا ہے.....قوم مسلم

کی کشتی بلاخیز موجوں کی زد میں ہے...... ڈوب جانے کا ڈر ہے...... تند و تیز موجوں سے ٹکرانے کی سکت باقی نہیں، سرکار ایسے نازک وقت میں دستگیری فرمائیں .... امت کی کشتی کی نگہبانی فرمائیں........ اور طوفان بلا کی ہولناکیوں سے بچا لیں۔ بڑی پر درد صدا اور کربناک التجا ہے۔ بارگاہ بیکس پناہ میں ایمانی ذوق و وجدان اور یقین واذعان گواہی دے رہے ہیں کہ:

فریاد امتی جو کرے حالِ زار میں
ممکن نہیں کہ خیرِ بشر کو خبر نہ ہو

اور جب سرکار اپنے امتی کی فریاد سماعت فرمائیں گے تو مصطفیٰ جان رحمت ضرور دست کرم بڑھائیں گے .... دادرسی فرمائیں گے .... امت کے غم کا مداوا فرمائیں گے۔

ان کے روضے پہ بہاروں کی وہ رعنائی ہے
جیسے فردوس پہ فردوس اتر آئی ہے

محبوب کردگار کے روضۂ پاک پر بہاروں کی وہ رعنائی اور زیبائی ہے، جس پر خود بہار خلد بھی قربان اور فریفتہ ہے۔ روضۂ پاک کی اس دل آرا بہشت پر، بہار ہشت خلد بھی نثار ہے۔ اس لیے کہنے دیا جائے کہ" فردوس پہ فردوس اتر آئی ہے" سے روضۂ پاک کی بہاروں کی افضلیت واہمیت بہت زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔

پاؤں چھو جائے تو پتھر کا جگر موم کرے
ہاتھ لگ جائے تو شرمندہ مسیحائی ہے

تلمیحات کے پیرائے میں اختیارِ نبوت اور اعجازِ نبوت کا خوبصورت اظہار ہے۔

جانے کیوں عرش کی قندیل بجھی جاتی ہے
ان کے جلوؤں میں نظر جب سے نہا آئی ہے

تجاہلِ عارفانہ کا خوبصورت انداز اور جلوۂ مصطفیٰ کی نورانی عظمتوں کا پرکیف اظہار ہے۔

مل گئی ہے سرِ بالیں جو قدم کی آہٹ
روح جاتی ہوئی شرما کے پلٹ آئی ہے

محبوب کے قدموں کی آہٹ مرنے والے عاشقِ صادق کے لیے زندگی کا پیغام ہوتی ہے....... جینے کی بشارت ہوتی ہے........ محبوب کی زیارت یا اس کی آمد کی خبر تنِ مردہ میں زندگی کی برقی لہر دوڑا دیتی ہے...... قدمِ ناز کی مسیحائی سے جاتی ہوئی روح شرما کر پلٹ آتی ہے...... محبوب سے محبتِ صادق کا یہ جذباتی اور روحانی لگاؤ بڑی کیفیتوں کا حامل ہے۔

سر پہ سر کیوں نہ جھکیں ان کے قدم پر ارشدؔ
اک غلامی ہے تو کونین کی آقائی ہے

سرورِ کونین کے قدمِ مبارک پر سرِ عقیدت خم کر دینا اور آقائے نامدار کا طوقِ غلامی گلے کی زینت بنا لینا، سب سے بڑی دارائی ہے۔ آقا کا غلام حکمِ ایزدی سے کائنات پر حکومت کرتا ہے....... پوری دنیا اس کے قدموں پر سر جھکاتی ہے.... قربان ہوتی ہے۔

جو محبوب کردگار کا باوفا غلام ہوگا، دنیا اس کے زیر نگیں ہوگی...... عظمت مصطفیٰ کو آشکار کرنے والا یہ ایمان افروز شعر حرز جاں بنا لینے کے لائق ہے۔ کاش یہ مصرعہ ہر مسلمان کے دل ودماغ پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نقش ہو جائے۔

درود شریف کے فیض و برکات کے سلسلہ میں آیات واحادیث کا گراں قدر ذخیرہ موجود ہے۔ درود شریف پڑھنا پڑھانا تقاضائے محبت بھی اور مقتضائے شریعت بھی۔ ایک عاشق رسول جب عقیدت ومحبت کے ساتھ عالم کیف وسرور میں جھوم جھوم کر درود شریف پڑھتا ہے، تو برکات وتجلیات کی بارش ہوتی ہے...... ایک وجد آفریں سماں پیدا ہوتا ہے۔

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی ایک نعت پاک ''صل علی محمد'' کی ردیف میں ہے۔ ہر شعر عقیدت ومحبت اور کیف ومستی میں ڈوبا ہوا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

ماہ مبین وخوش ادا صل علی محمد
پردۂ کن کے مہ لقا صل علی محمد

محبوب کردگار کے حسن وجمال کی رعنائی وزیبائی پر ہدیۂ درود نذر کرنے کا کتنا خوبصورت انداز ہے یہ!

شاخ نہال آرزو پھولے پھلے گی چار سو
دل سے نکلتی ہے صدا صل علی محمد

نخل تمنا ہر چہار جانب تروتازہ ہوگی...... شاداب وثمر آور ہوگی......: جب جب

بھی دل کی گہرائیوں کے ساتھ "صل علی محمد" کی صدائے جانفزا نکلے گی، شاخ نہال آرزو پھولے پھلے گی......دل کی تمنا بر آئیگی.........نا تمام آرزو پایۂ تکمیل تک پہونچے گی۔

اس کی بلائیں رد ہوئیں اس کے گناہ ڈھل گئے
جس نے یہ صدق دل پڑھا صل علی محمد

بیشک خلوص ومحبت اور صدق نیت کے ساتھ جو درود شریف پڑھے گا، اس کی برکتوں سے اس کی بلائیں اور مصیبتیں دور ہوں گی.......دل ودماغ میں طہارت وپاکیزگی پیدا ہوگی.........حسن عمل کی توفیق ملے گی۔

اتنا جنوں کا شوق ہو تن کو نہ اپنے ہوش ہو
کہتا پھروں میں برملا صل علی محمد

جنون محبت اس درجہ بڑھ جائے کہ میں سب کچھ بھول کر صرف درود پاک کا ہر دم ورد کرتا رہوں، اسی وظیفۂ محبت سے دل بیتاب کو تسکین دیتا رہوں، یہی علامہ علیہ الرحمہ اور دوسرے عاشقان رسول کا مقصد حیات ہے........یہی دیوانگی ہے، جس پر ہزار فرزانگی وہوشمندی قربان ہے۔

جتنے مرض ہیں لا دوا ان کے لیے تو پڑھ سدا
صل علی نبینا صل علی محمد

بلاشبہ ہر لادوا مرض اور لاعلاج بیماری کا صرف ایک ہی نسخۂ شفا ہے؛ محبت رسول........اور محبت رسول کا تقاضا ہے کہ اپنے پیارے آقا پر درود و سلام پڑھ کر اس کی کیمیا اثری اور مسیحائی سے اپنی ناقابل علاج بیماریوں کو دفع کیا جائے.......تکلیفوں اور اذیتوں کو دور کیا جائے......اور شفائے جسمانی و روحانی حاصل کی جائے۔

حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی چند نعتوں کا یہ ایک سرسری جائزہ ہے۔ علامہ کی نعتیہ شاعری کی عظمتوں اور فکر و فن کی رفعتوں پر دوسرے ارباب علم و فن اور اساتذۂ شعر و سخن تجزیہ و تبصرہ کا پورا حق ادا کر سکتے ہیں اور ان کے شاعرانہ مقام کا صحیح تعین کر سکتے ہیں۔ اس ناچیز نے تو علامہ علیہ الرحمہ کے نعتیہ اشعار پر تبصرہ، محض حصول برکت و سعادت کے لیے کیا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ موصوف کے جذبۂ نعت گوئی کے فیضان سے ہمیں بھی وافر حصہ عطا فرمائے۔

ارشدِ دین ملت

ایک عدیم المثال قلمکار

حسان الہند بیکل اتساہی

لوگ کہتے ہیں کہ جگنو، سورج نہیں بن سکتا اور ذرہ چاند!

میاں یہ سچ ہے مگر یہ کس نے کہا کہ جگنو سورج ہو گیا اور ذرہ چاند؟

آیئے آپ کو بتاؤں کہ ایک گاؤں کی فضاؤں میں دمکنے والا جگنوں یا گاؤں کی پگڈنڈیوں کا ذرہ چاند کی طرح کیسے چمکا دمکا........ضلع بلیا اتر پردیش انڈیا کے معمولی مگر علم و عقیدت کے گاؤں سید پورہ میں دمکا.........والد محترم حضرت شاہ عبدہ عبداللطیف علیہ الرحمہ کی آغوش میں دمکتا رہا.......پھر دادا علیہ الرحمہ کی بانہوں میں ہمکی، بنگال میں اڑا اور دمکتا رہا۔ طبیعت میں اضطراب کہ میں گگن تک پہونچوں! چین نہیں آیا تو الٰہ آباد، بریلی شریف، ناگپور پھر مبارک پور مصباح العلوم سے اپنی

پوری آب وتاب سے اٹھا اور سورج چاند کی طرح روشنی بانٹنے لگا۔ یہی ذرہ تمنائے تابش علم دیں کے حصول کیلئے قریہ قریہ پرواز کرتا رہا اور ۱۹۴۴ء میں چاند بنکر ابھرا حیات سنیت، کائنات محبت وعقیدت کو اپنی تابش علمی سے روشن کر دیا۔

یہ رئیس القلم علامہ ارشد القادری ہی تو تھے جو زمین علوم دینیہ کو اپنی ذہانت وذکاوت کی شعاعوں سے کہکشانِ نوری کی طرح چمکاتے رہے۔

علامہ علیہ الرحمہ میں تقریری صلاحیت تو تھی ہی مگر تحریری صلاحیت کا جواب نہیں۔ اپنی نثر نگاری سے مصاحبت کی لویں تیز کر کے قوم وملت کے اعتبار کو روشن کیا، ساتھ ہی نظم نگاری کی طرف جب رخ کیا تو نعت ومنقبت کا خزینہ کھول دیا۔ برجستہ گوئی انکی فطرت میں تھی۔ اپنی شعری کاوشیں اپنے شاگردوں کو عطا کر دیا کرتے۔ ایسے واقعات میرے سامنے گذرے ہیں۔ سفر میں ہوتے یا فیض العلوم، فرصت کے اوقات میں مصرعہ دیتے، خود کہتے اور مجھ سے کہلواتے، مصرعہ ٹکراتے یا خیالات قریب تر ہوتے تو اسے ضائع کر دیا کرتے۔ وہ میرے لفظیات سے خوش تھے اور متاثر بھی مگر خود جب شعر کہتے تو انکے اپنے الفاظ ہوتے۔ انکے شعری اثاثے میں صنعتیں کہیں نہ کہیں اجاگر رہتیں۔ فی البدیہہ شعر کہنا ان کا وطیرہ بن چکا تھا۔ زیادہ گوئی یا زود گوئی میں اکثر مطالعہ کی پرچھائیاں کارگر ہو جاتیں۔

وہ پیکر اخلاص ومحبت تھے۔ کبھی کسی کیطرف سے بغض وکینہ نہ رکھتے۔ اپنے ہمعصروں کی عزت کرتے۔ کبھی کوئی شرعی چوک کسی سے واقع ہوتی تو تنہائی میں مطمئن کر دیتے۔ ملک وبیرون ممالک دینی اداروں کی بنیاد رکھی اور دین کی توسیع واشاعت کے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ انکے دو ایک ساتھی سیاسی تنگ ودو میں

لگ گئے مگر علامہ علیہ الرحمہ ہمیشہ سیاسی قرابت سے دور رہے۔

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کا نعتیہ اور منقبتیہ مجموعہ زیر نظر ہے، جس میں نعت، منقبت اور قطعات شامل ہیں۔ سادگی شگفتگی ہر شعر کا لباس ہے۔ عقیدت و محبت ان کی روح۔

ان کے شہزادے ڈاکٹر مولانا غلام زرقانی قادری نے موصوف علیہ الرحمہ کے سبھی تحریری اثاثے کو ملت کے سامنے رکھنے کا عزم کیا ہے، جو بین الاقوامی معیار کے مطابق ہوگا۔

میری نیک خواہشات اور قلبی دعائیں انکے ساتھ ہیں۔

بیکل اتساہی

نعت

یا نبی یاد تری دل سے مرے کیوں جائے
بختِ بیدار مرا جاگ کے کیوں سو جائے

لاکھ عشاقِ مدینہ ہیں الم سے گھائل
تم جو آجاؤ تو پیارے کوئی کیوں گھبرائے

☆ قائد اہل سنت علیہ الرحمہ نے حضرت مولانا سراج الھدی اور حاجی عبد الباری رحمۃ اللہ علیہما کے ہمراہ پہلا حج ۱۳۷۵ھ کیا۔ مولانا سراج الھدی علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں کہ قائد اہل سنت نے مدینہ شریف کی حاضری کے وقت اشکبار آنکھوں سے یہ کلام فی البدیہہ مواجہ شریف کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ بروایت: مولانا مبین الھدی نوری،
دیکھئے: رئیس القلم نمبر، ص: ۲۶۲، ت: اگست ۲۰۰۲ء

جب نظر ہی میں نہیں لاتے دو عالم کا جمال
ان کے دیوانوں کو فردوس بھی کیوں بہلائے

صبح کا وقت ہے آقا مری جھولی بھر دو
کٹ گئی رات یونہی دستِ طلب پھیلائے

ٹوٹ جائے غم و کلفت کی چٹانوں کا غرور
سبز گنبد سے اگر دل کی صدا ٹکرائے

آگئے والئ بطحا کی اماں میں ارشد
کہدو آنا ہے تو اب پیکِ اجل آجائے

نعت

بہرِ دیدارِ مشتاق ہے ہر نظر دونوں عالم کے سرکار آجائیے
چاندنی رات ہے اور پچھلا پہر دونوں عالم کے سرکار آجائیے

سدرۃ المنتہیٰ عرش و باغِ ارم ہر جگہ پڑ چکے ہیں نشانِ قدم
اب تو اک بار اپنے غلاموں کے گھر دونوں عالم کے سرکار آجائیے

شامِ امید کا اب سویرا ہوا سوئے طیبہ نگاہوں کا ڈیرا ہوا
بچھ گئے راہ میں فرشِ قلب و نظر دونوں عالم کے سرکار آجائیے

سامنے جلوہ گر پیکرِ نور ہو منکروں کا بھی سرکار شک دور ہو
کر کے تبدیل اک دن لباسِ بشر دونوں عالم کے سرکار آجایئے

دل کا ٹوٹا ہوا آبگینہ لئے جذبۂ اشتیاقِ مدینہ لئے
کتنے گھائل کھڑے ہیں سرِ رہگذر دونوں عالم کے سرکار آجایئے

میرے گلشن کو اک بار مہکایئے اپنے جلووں کی بارش میں نہلایئے
دیدۂ شوق کو کیجئے بہرہ ور دونوں عالم کے سرکار آجایئے

تا ابد اپنی قسمت پہ نازاں رہیں خاک ہو جائیں پھر بھی فروزاں رہیں
دل کی بزمِ تمنا میں اک بار اگر دونوں عالم کے سرکار آجایئے

آخری وقت ہے ایک بیمار کا دل مچلنے لگا شوقِ دیدار کا
بجھ نہ جائے کہیں یہ چراغِ سحر دونوں عالم کے سرکار آجائے

شامِ غربت ہے اور شہر خاموش ہے ایک ارشدؔ اکیلا کفن پوش ہے
خوف کی ہے گھڑی وقت ہے پرخطر دونوں عالم کے سرکار آجائے

☆☆
☆

نعتِ پاک

جس سے تم روٹھو وہ برگشتۂ دنیا ہو جائے
تم جسے چاہو وہ قطرہ ہو تو دریا ہو جائے

ان کی دہلیز پہ رکھدوں تو جبیں پھر نہ اٹھے
عالمِ شوق میں ایسا کوئی سجدہ ہو جائے

قہر سے دیکھو تو شاداب چمن جل جائے
مسکرادو تو مری خاک بھی زندہ ہو جائے

جس پہ تم ڈال دو خوش ہو کے نگاہِ رحمت
اوج پر اس کے مقدر کا ستارا ہوجائے

اے خوشا بخت کہ جب موت کی ہچکی آئے
نور والے ترے جلووں کا نظارا ہوجائے

چاہنے والے ہی دنیا میں رہیں خانہ خراب
آپ اگر چاہیں تو یہ غم بھی گوارا ہو جائے

دیکھئے ڈوب ہی جائے نہ بے چارہ ارشد
اب تو سرکار مدینہ سے اشارا ہو جائے

قطعہ

مدینہ میں دل کا نشاں چھوڑ آئے
فضاؤں میں آہ و فغاں چھوڑ آئے
جدھر سے بھی گزرے جہاں سے بھی گزرے
محبت کی اک داستاں چھوڑ آئے

نعت حبیب

زمیں تا چرخِ بریں فرشتے ہر اک نفس کو پکار آئے
گناہگارو مناؤ خوشیاں شفیعِ روزِ شمار آئے

وہ نورِ اول سراپا رحمت عطا کے پیکر خدا کی نعمت
وہ مونس و غمگسار بنکر دکھی دلوں کے قرار آئے

چمن نے کی آبرو نچھاور گلوں نے سجدے کیے قدم پر
نقاب الٹے گہر لٹاتے وہ جب سوئے لالہ زار آئے

بشر کی تشہیر کرنے والو نہ اٹھ سکا تم سے بارِ احساں
کہ خاکیوں کی اس انجمن میں وہ عرش کے تاجدار آئے

جہانِ خاکی کے تیرہ بختو تباہ کارو خطا شعارو
کچھ اس طرح جاؤ آبدیدہ کہ ان کی رحمت کو پیار آئے

کہیں نہ کھل جائے چشمِ نرگس کہیں نہ برپا ہو حشر کا دن
زمیں پہ تارِ نظر سے چلنا حبیب کا جب دیار آئے

میں اس کی ہر اک ادا پہ ارشدؔ کروں عقیدت سے دل نچھاور
شہہِ مدینہ کے در پہ جا کر جو اپنی ہستی سنوار آئے

عرب سے بغداد کی زمیں تک نجف سے اجمیر کی گلی تک
ہزار ناموں سے ان کو ارشدؔ کہاں کہاں ہم پکار آئے

نعت

جمالِ نور کی محفل سے پروانہ نہ جائے گا
مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا

بڑی مشکل سے آیا ہے پلٹ کر اپنے مرکز پر
مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا

یہ مانا خلد بھی ہے دل بہلنے کی جگہ لیکن
مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا

نشیمن باندھنا ہے شاخِ طوبیٰ پر مقدر کا
مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا

جو آنا ہے تو خود آئے اجل عمرِ ابد لے کر
مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا

ٹھکانا مل گیا ہے فاتحِ محشر کے دامن میں
مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا

فرازِ عرش سے اب کون اترے فرشِ گیتی پر
مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا

دو عالم کی امیدوں سے کہو مایوس ہو جائیں
مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا

نہ ہو گر داغِ عشقِ مصطفٰے کی چاندنی دل میں
غلامِ باوفا محشر میں پہچانا نہ جائے گا

حبیبِ کبریا کی عظمتوں سے منحرف ہو کر
یہ دعوائے مسلمانی کبھی مانا نہ جائے گا

مرے سرکار آکر نقش کر دو اب کفِ پا کو
دلِ بیمار کا رہ رہ کے گھبرانا نہ جائے گا

ظہورِ عشق کا موسم کہاں سے لائے گا رضواں
اگر باغِ جناں میں ان کا میخانہ نہ جائے گا

پہنچ جائے گا ان کا نام لے کر خلد میں ارشد
تہی دامن سہی نازِ غلامانہ نہ جائے گا

ہدیہ عقیدت

ہے جبینِ شوق کا بھی دنیا میں اک ٹھکانہ
رہے حشر تک سلامت ترا سنگِ آستانہ

دو جہاں کی نعمتوں کو جسے چاہے بخشدے تو
تری ملک ہے خدائی ترے بس میں ہے زمانہ

تو ہی چارہ ساز میرا تو ہی غمگسار میرا
کسے جا کے میں سناؤں غم و درد کا فسانہ

کبھی وہ سحر بھی آتی کہ چراغ بجھتے بجھتے
ترے سنگِ در پہ بنتا مرے غم کا آشیانہ

مری آہِ نارسا پر رہی طعنہ زن یہ دنیا
مرے دردِ دل کا عالم نہ سمجھ سکا زمانہ

ترے غم سے زندگی ہے تری یاد بندگی ہے
کہ ہے دینِ عاشقی میں یہ نمازِ پنجگانہ

غمِ عاشقی میں ارشدؔ یہی زندگی کا حاصل
کبھی آہِ صبح گاہی کبھی گریۂ شبانہ

قطعہ

روز آئے مدینے سے بادِ صبا ہجر میں دل ہمارا بہلتا رہے
ہر گھڑی تم مجھے یاد آتے رہو عالمِ شوق میں دل مچلتا رہے
وقت آجائے ارشدؔ کا جب آخری رنگ لائے مری نسبتِ قادری
گوشۂ دامنِ پاک ہو ہاتھ میں سامنے تم رہو دم نکلتا رہے

صلِّ علیٰ محمد

ماہِ مبین و خوش ادا صلِّ علیٰ محمد
پردۂ کن کے مہ لقا صلِّ علیٰ محمد

شاخِ نہالِ آرزو پھولے پھلے گی چار سو
دل سے نکلتی ہے صدا صلِّ علیٰ محمد

اس کی بلائیں رد ہوئیں اس کے گناہ دھل گئے
جس نے یہ صدق دل پڑھا صلِّ علیٰ محمد

اتنا جنوں کا جوش ہو تن کا نہ اپنے ہوش ہو
کہتا پھروں میں برملا صلِّ علیٰ محمد

جتنے مرض ہیں لا دوا ان کے لیے تو پڑھ سدا
صلِّ علیٰ نبینا صلِّ علیٰ محمد

منقبت

ہو چشمِ عنایت شہِ جیلاں مرے لئے
ہو چارہ سازِ رحمتِ یزداں مرے لئے

آوا ز دی ہے جب سے انہیں کہکے دستگیر
شامِ الم ہے صبحِ بہاراں مرے لئے

میں ہوں دیارِ غوث میں پھر آج شب گزار
رک جائے کہدو گردشِ دوراں مرے لئے

مرہم ہو یا کہ نشترِ غم سب ہے خوشگوار
جب تم ہی خود ہو درد کا درماں مرے لئے

داغِ دلِ غریب ہے ہم رنگِ لالہ زار
ہے شامِ آرزو کا چراغاں مرے لئے

شامِ نشاط و صبحِ طرب بہرِ دیگراں
صد مرحبا کہ ہے غمِ جاناں مرے لئے

اے کاش پوچھیں حشر میں جیلاں کے تاجدار
ارشدؔ کہاں ہے اشکِ بداماں مرے لئے

قطعہ

چراغِ طیبہ کی روشنی میں جو ایک شب بھی گزار آئے
وہ دل کو روشن بنا کے اٹھے وہ اپنی قسمت سنوار آئے
کچھ ایسی پی ہے شرابِ الفت وہیں کھڑے ہیں خبر نہیں ہے
نہ در ہوا بند میکدے کا نہ ہوش میں بادہ خوار آئے

منقبت

ہمیشہ جوش پر بحرِ کرم ہے میرے خواجہ کا
زمانہ بندۂ جود و نعم ہے میرے خواجہ کا

نچھاور ہے متاعِ دو جہاں اس دل کی قیمت پر
کہ نامِ پاک جس دل پر رقم ہے میرے خواجہ کا

منور ہند کا ظلمت کدہ خواجہ کے دم سے ہے
دیارِ ہند ممنونِ کرم ہے میرے خواجہ کا

نوازش ہے کہ دریا بہہ رہا ہے فیض و رحمت کا
زمانہ پر سدا لطف اتم ہے میرے خواجہ کا

نگوں ہوکر رہا ہر ایک کا پرچم زمانے میں
بلندی پر نصب اب تک ہے پرچم میرے خواجہ کا

ہزاروں پرچم شوکت اڑے اور مٹ گئے آخر
بلندی پر نصب اب تک ہے پرچم میرے خواجہ کا

درِ اقدس کا ہر ذرہ غبارِ طور سینا ہے
دلِ روشن گزر گاہِ حرم ہے میرے خواجہ کا

ہزاروں قافلے عرفان کی منزل پہ جا پہنچے
چراغِ رہگذر نقشِ قدم ہے میرے خواجہ کا

سلاطینِ جہاں بھی سنگ در کی خاک ملتے ہیں
تعالی اللہ وہ جاہ و حشم ہے میرے خواجہ کا

کہاں سے آرہی ہے حشر میں آواز ارشدؔ کی
گنہگارو چلو باغِ ارم ہے میرے خواجہ کا

☆☆☆
☆☆
☆

قطعہ

علامت عشق کی آخر کو ظاہر ہو کے رہتی ہے
جبیں سے رنگ سے پژمردگی سے چشم گریاں سے
کرم کی رحم کی امداد کی ہے آس ارشدؔ کو
خدا سے مصطفٰے سے غوث سے احمد رضا خاں سے

نعت

ان کے روضے پہ بہاروں کی وہ زیبائی ہے
جیسے فردوس پہ اتر آئی ہے

پاؤں چھو جائے تو پتھر کا جگر موم کرے
ہاتھ لگ جائے تو شرمندہ مسیحائی ہے

جانے کیوں عرش کی قندیل بجھی جاتی ہے
ان کے جلووں میں نظر جب سے نہا آئی ہے

مل گئی ہے سرِ بالیں جو قدم کی آہٹ
روح جاتی ہوئی شرما کے پلٹ آئی ہے

سر پہ سر کیوں نہ جھکیں ان کے قدم پہ ارشدؔ
اک غلامی ہے تو کونین کی آقائی ہے

مدیح نبوی

تم نقشِ تمنائے قلندان رضا ہو
برکات کا سورج ہو بریلی کی ضیاء ہو

جب خالقِ کونین ہی خود مدح سرا ہو
"نعتِ شہ کونین کا حق کس سے ادا ہو"

☆ ۲ر ستمبر ۱۹۹۶ء بمطابق ۱۹ر جمادی الاولی ۱۴۱۷ ہجری میں بنارس کی سرزمین پر ایک طرحی مشاعرہ قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں ہوا تھا۔ مصرعہ طرح تھا "نعت شہ کونین کا حق کس سے ادا ہو"۔ آپ نے بھی چند اشعار کہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ مرتب

ہر آن پہ ہو جب کہ مدارج میں ترقی
"نعتِ شہ کونین کا حق کس سے ادا ہو"

جبرئیل بھی بے مثلی پہ جب مہر لگائیں
"نعتِ شہ کونین کو حق کس سے ادا ہو"

فردوس میں جب جب بھی ہوئی نعت کی محفل
آقا نے کہا اہل بریلی کا بھلا ہو

کیوں اپنی گلی میں وہ روادارِ صدا ہو
بن مانگے جو ہر آن میں مصروف عطا ہو

اک آن میں ارشدؔ کی بھی تقدیر سنور جائے
گر دستِ کرم ان کا مری سمت اٹھا ہو

شبیر کو رکھ لو دل میں

تیرے قدموں میں شجاعت نے قسم کھائی ہے
یاد آئے گی تری یاد کی ہر محفل میں
عزم وہمت کے مریضوں سے یہ کہہ دے کوئی
جان آجائے گی شبیر کو رکھ لو دل میں

ساقی نامہ

اپنے مستوں کی بھی کچھ تجھکو خبر ہے ساقی
مجلسِ کیف تری زیروزبر ہے ساقی

اب نہ وہ دن ہیں نہ وہ شام وسحر ہے ساقی
بند میخانہ فیضانِ نظر ہے ساقی

بات مت پوچھ غمِ عشق کے افسانوں کی
خاک چہروں پہ اڑا کرتی ہے ویرانوں کی

اب تو جنت بھی ہے سرکار کی قربت بھی ہے
ترے مولا کی ترے حال پہ رحمت بھی ہے

زیبِ سر تاجِ شہہِ ملکِ ولایت بھی ہے
ہاتھ میں عالمِ جاوید کی دولت بھی ہے

جب سبھی کچھ ہے تو خیرات لٹا دے ساقی
چشمِ مخمور سے پھر جام پلا دے ساقی

ترے دربار میں پھر شور ہے میخواروں کا
حوصلہ تشنہ نہ رہ جائے وفاداروں کا
آ کے اب حال ذرا دیکھ لے بیماروں کا
واسطہ دیتے ہیں ساقی ترے سرکاروں کا

بہرِ تسکین یہ تکلیف گوارا ہو جائے
آج تربت سے نکل آ کہ نظارا ہو جائے
اک نظر ڈال کے دنیا تہہ و بالا کر دے
بزمِ دل نورِ تجلی سے اجالا کر دے

☆ نوٹ: یہ نامکمل ہے

شادابیٔ امت

آبگینوں میں شہیدوں کا لہو بھرتے ہیں
صبح سے آج فلک والوں میں بیتابی ہے
ہو نہ ہو اس عرقِ روحِ عمل سے مقصود
شجرِ امت مرحوم کی شادابی ہے

منقبت

ہاتھ پکڑا ہے تو تا حشر نبھانا یا غوث
اب کسی حال میں دامن نہ چھڑانا یا غوث

اپنے ہی کوچے میں سرشارِ تمنا رکھنا
اپنے محتاج کو در در نہ پھرانا یا غوث

دل سے اترے نہ کبھی تیرے تصور کا خمار
ایسا اک جام حضوری کا پلانا یا غوث

تیرے نانا کی سخاوت کی قسم ہے تجھ کو
اپنے در سے ہمیں خالی نہ پھرانا یا غوث

دوست خوش ہوں مرے دشمن کو پشیمانی ہو
کام بگڑے ہوئے اس طرح بنانا یا غوث

آستیں اپنی بڑھانا مری پلکوں کی طرف
اپنے غم میں ہمیں جب جب بھی رلانا یا غوث

کبھی آنکھوں میں کبھی خانۂ دل میں رہنا
روح بنکر مری رگ رگ میں سمانا یا غوث

نسبتِ حلقہ بگوشی کا بھرم رکھ لینا
بہرِ امداد مری قبر میں آنا یا غوث

آبگینہ میری امید کا ٹوٹے نہ حضور
دردِ حسرت سے مرے دل کو بچانا یاغوث

تیرے جلووں سے ہیں کتنے ہی شبستاں روشن
میرے دل میں بھی کوئی شمع جلانا یاغوث

کسی منجدھار سے ارشدؔ کی صدا آتی ہے
میری کشتی کو تم ہی پار لگانا یاغوث

منقبت

بخدمت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ

پیار سے تم کو فرشتوں نے جگایا ہوگا
اور جنت کی بہاروں میں سلایا ہوگا

تیری ٹھوکر میں جو آیا اسے ٹھوکر نہ لگی
کیا گرے گا وہ جسے تو نے سنبھالا ہوگا

. قبست حضور مفتی اعظم علامہ مصطفےٰ رضا خان علیہ الرحمہ کے چہلم کے موقع پر لکھی گئی۔ مرتب

قبر بھی منزلِ عشاق نبی ہے یارو
کہ وہیں چہرۂ زیبا کا نظارا ہوگا

شمعِ عشقِ رخِ شہ ساتھ گئی ہے جب تو
روز وشب مرقدِ نوری میں اجالا ہوگا

کہہ کہ لبیک یہ دنیا جو سمٹ آئی ہے
آپ نے مرقدِ انور سے پکارا ہوگا

اپنی دنیا میں جو محبوب سے تنہا نہ رہا
منزلِ قبر میں کیونکر وہ اکیلا ہوگا

آستانے سے چلے جائیں تہی دامن ہم
ان کی غیرت کو بھلا کیسے گوارا ہوگا

مصطفےٰ کی جو رضا بن کے گیا ہے ارشد
اس کے اعزاز میں کیا جانیئے کیا کیا ہوگا

کوئی قیمت بھی لگائے تو لگائے کیونکر

خون ہے یہ شہہِ لولاک کے شہزادوں کا
کوئی قیمت بھی لگائے تو لگائے کیونکر
عفوِ امت پہ صلح کرنے کو آمادہ ہے
سیدہ آپ کا ممنون ہے سارا محشر

منقبت

بحضور شیخ تیغ علی علیہ الرحمۃ

اس پہ کھل جائے ابھی تیغ علی کا جوہر
چشمِ ساقی کی اگر کوئی نظر پہچانے

وحشتِ شوق کو کہہ دو ابھی آواز نہ دے
اپنے سرکار کی سرکار میں ہیں دیوانے

اب بدلنے کا نہیں کیف وجنوں کا موسم
درِ مرشد پہ کھلے ہیں ابدی میخانے

ایک تاریخی شعر

مدینے کا مسافر ہند سے پہنچا مدینے میں
قدم رکھنے کی نوبت بھی نہ آئی تھی سفینے میں

☆ صدر الشریعہ حضرت علامہ امجد علی علیہ الرحمہ سفر حج کی نیت سے اپنے دولت خانہ سے نکل چکے تھے۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق یہ مقدس قافلہ ممبئی پہنچا تا کہ وہاں سے سمندری جہاز کے ذریعہ حرمین شریفین تک رسائی ممکن ہو۔ اس مقدس سفر پر جانے والے عشاقان مدینہ کو الوداع کہنے کے لیے حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ بھی ممبئی میں موجود تھے۔

ساری تیاری مکمل تھی کہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی حالت بگڑنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی روح پرواز کر گئی۔ قائد اہل سنت علیہ الرحمہ نے اسی تاریخی موقع پر فی البدیہہ یہ شعر کہا تھا۔ مرتب

تاریخی نظم کا ایک شعر

ان موتیوں کی تابشیں دنیا کو ہیں محیط
سی پی میں گرچہ ان کو نہاں دیکھتا ہوں میں

☆ ناگپور میں حضور حافظ ملت علامہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کے ہاتھوں حافظ عبدالرؤف بلیاوی سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارکپور کی جماعت کو دستار فضیلت سے نوازا گیا تھا۔ ایسے پر بہار موقع پر علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے ایک شاندار نظم پڑھی تھی، جس کا صرف یہی شعر میسر آسکا ہے۔ اس شعر میں دراصل ایہام ہے۔ اسے خود علامہ نے بیان فرمایا کہ ناگپور ان دنوں سینٹرل پرونس میں آتا تھا۔ علامہ نے انگریزی کے دونوں لفظوں کا ابتدائی حرف لے لیا جس سے وہ ''سی پی'' ہوگیا، مگر سامع ''موتی'' کی مناسبت سے ''سی پی'' سے سمندری کیڑا گمان کرے گا جس میں موتی ہوتا ہے۔ (بروایت علامہ محمد قمر الحسن قمر بستوی)

سہراء شادی

موسمِ گل ہے بہاروں کی نگہبانی ہے
میرے گھر قافلۂ عیش کی مہمانی ہے
مستی و کیف میں ہنگامِ غزل خوانی ہے
جس طرف دیکھیے جلوؤں کی فراوانی ہے

باغِ فردوس سے بارات اتر آئی ہے
چاندنی بامِ شریعت پہ نکھر آئی ہے

☆ استاذ العلماء علامہ عبد الرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ کے صاحبزادے جناب شبیر احمد انجینئر کی شادی جناب عباس صاحب کی صاحبزادی سے انجام پذیر ہوئی۔ شادی کی تقریب کلکتہ میں منعقد ہوئی تھی۔ اس موقع پر قائد اہل سنت نے یہ اشعار کہے۔ مرتب

آج بن آئی ہے اسلام کے معماروں کی
رحمتیں پھوٹ پڑی ہیں مرے سرکاروں کی
کوئی توقیر تو دیکھے ذرا دستاروں کی
کتنی پیاری ہے خوشی اپنے فداکاروں کی

آ گئی بادِ صبا خلوتِ زیبا لے کر
باغِ طیبہ سے مہکتا ہوا سہرا لے کر

حافظِ ملت بیضاء کی نظر کا تارا
یعنی محبوب و محبّ دونوں کے دل کا پیارا

باپ مشرق کا تو فرزند ہے مغرب کا امام
دونوں مل جائیں تو قبضہ میں ہو عالم کا نظام

گلِ عباس کی خوشبو سے معطر دامن
اور شبیر کے چہرے پہ مہکتا گلشن

وادیٔ شوق میں قاسم سا جواں سال بھی ہے
خود وہ تنہا نہیں عباس کا اقبال بھی ہے

ایک جشن جسے کہتے ہیں دلہن کی وادی
ان کے ارمان کا آئینہ ہے ساری شادی

کتنے مسرور ہیں حامد کی اداؤں کے امیں
مصطفیٰ کی نگہِ لطف سے سب کو تسکیں

کوئی حافظ ہو کہ قاری ہو بہم ہیں دونوں
ابروئے جلوۂ قرآن کے خم ہیں دونوں

ایک پیغامِ خوشی دونوں کے گھر آیا ہے
نقشِ اخلاص کا چہروں پہ ابھر آیا ہے

جس کی آغوش میں پلتے ہیں نبی کے وارث
جس کے دربار میں بکتے ہیں نبی کے وارث

رشتۂ عقد کا اتمام کیا ہے اس نے
کام دونوں کا خوش انجام کیا ہے اس نے




زلف و زنجیر




تجلیاتِ رضا


بزبانِ حکایت

